تفہیم القرآن

مریم

<u>نام</u> | اس سورۃ کا نام آیت وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ سے ماخوذ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ سورہ جس میں مریم کا ذکر آیا ہے۔

<u>زمانۂ نزول</u> | اس کا زمانۂ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اسلام جب نجاشی کے دربار میں بلائے گئے تھے اس وقت حضرت جعفر نے یہی سورہ بھرے دربار میں تلاوت کی تھی۔

<u>تاریخی پس منظر</u> | جس دور میں یہ سورہ نازل ہوئی اس کے حالات کی طرف ہم کسی حد تک سورۂ کہف کے دیباچے میں اشارہ کر چکے ہیں۔ لیکن وہ مختصر اشارہ اس سورے کو اور اس دور کی دوسری سورتوں کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس لیے ہم ذرا اس وقت کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

قریش کے سردار جب تضحیک، استہزاء، اطماع، تخویف اور جھوٹے الزامات کی تشہیر سے تحریک اسلامی کو دبانے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ظلم و ستم، مار پیٹ اور معاشی دباؤ کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کیے۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نو مسلموں کو تنگ پکڑا اور طرح طرح سے ستا کر، قید کر کے، بھوک پیاس کی تکلیفیں دے کر، حتیٰ کہ سخت جسمانی اذیتیں دے دے کر انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ غریب لوگ اور وہ غلام اور موالی جو قریش والوں کے تحت زیردست کی حیثیت سے رہتے تھے، بری طرح پیسے گئے۔ مثلاً بلال، عامر بن فُہَیرہ، ام عُبَیس، زِنّیرہ، عمار بن یاسر اور ان کے والدین وغیرہم۔ ان لوگوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا جاتا، بھوکا پیاسا بند رکھا جاتا، مکے کی تپتی ہوئی ریت پر چلچلاتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا۔

جو لوگ پیشہ ور تھے ان سے کام لے لیا جاتا اور اجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت خباب بن ارت کی یہ روایت موجود ہے کہ :-

"میں مکے میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ مجھ سے عاص بن وائل نے کام لیا۔ پھر جب میں اس سے اجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تیری اجرت نہ دوں گا جب تک تو محمد کا انکار نہ کرے"

اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں اور جو معاشرے میں کچھ عزت کا مقام رکھتے تھے اُن کو ہر طریقے سے ذلیل و رسوا کیا جاتا۔ اسی زمانے کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت خباب کہتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ، اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے، آپ خدا سے دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک تمتا اٹھا اور آپ نے فرمایا "تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے اُن پر اس سے زیادہ مظالم ہو چکے ہیں۔ ان کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں گھسی جاتی تھیں، ان کے سروں پر رکھ کر آرے چلائے جاتے تھے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ ایک آدمی صنعاء سے حضرموت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو" (بخاری)

یہ حالات جب ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو رجب ۴۵ھ عام الفیل (۵ نبوی) میں حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ لو خرجتم الی ارض الحبشۃ فان بہا ملکا لا یظلم عندہ احد وھی ارض صدق حتی یجعل اللہ لکم فرجا مما انتم فیہ۔ "اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے، تم لوگ وہاں ٹھیرے رہو۔"

اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ قریش کے لوگوں نے ساحل تک ان کا پیچھا کیا، مگر خوش قسمتی سے شُعیبہ کے بندرگاہ پر اُن کو بروقت حبش کے لیے کشتی مل گئی اور وہ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔ پھر چند مہینوں کے اندر مزید لوگوں نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۸۳ مرد، گیارہ عورتیں اور

۸۳ غیر قریشی مسلمان حبش میں جمع ہو گئے اور مکے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ۴۰ آدمی رہ گئے۔

اس ہجرت سے مکے کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا، کیونکہ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چشم و چراغ ان مہاجرین میں شامل نہ ہوں۔ کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کا بھائی اور کسی کی بہن۔ ابوجہل کے بھائی سلمہ بن ہشام، اس کے چچازاد بھائی ہشام بن ابی حذیفہ اور عیاش بن ابی ربیعہ اور اس کی چچازاد بہن حضرت ام سلمہ، ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ، عتبہ کے بیٹے اور ہند جگرخوار کے سگے بھائی ابوحذیفہ، سہیل بن عمرو کی بیٹی سہلہ، اور اسی طرح دوسرے سرداران قریش اور مشہور دشمنان اسلام کے اپنے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اسی لیے کوئی گھر نہ تھا جو اس واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بعض لوگ اس کی وجہ سے اسلام دشمنی میں پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے، اور بعض کے دلوں پر اس کا اثر ایسا ہوا کہ آخر کار وہ مسلمان ہو کر رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی اسلام دشمنی پر پہلی چوٹ اسی واقعہ سے لگی۔ ان کی ایک قریبی رشتہ دار لیلیٰ بنت ابی حثمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرت کے لیے اپنا سامان باندھ رہی تھی، اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمر آئے اور کھڑے ہو کر میری مشغولیت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے "عبداللہ کی ماں، جا رہی ہو؟" میں نے کہا "ہاں، خدا کی قسم تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا۔ خدا کی زمین کھلی پڑی ہے، اب ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں گے جہاں خدا ہمیں چین دے" یہ سن کر عمر کے چہرے پر رقت کے ایسے آثار طاری ہوئے جو میں نے کبھی ان پر نہ دیکھے تھے، اور وہ بس یہ کہہ کر نکل گئے کہ "خدا تمہارے ساتھ ہو۔"

ہجرت کے بعد قریش کے سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے طے کیا کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابوجہل کے ماں جائے بھائی) اور عمرو بن عاص کو بہت سے قیمتی تحائف کے ساتھ حبش بھیجا جائے اور یہ لوگ کسی نہ کسی طرح نجاشی کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ان مہاجرین کو مکہ واپس بھیج دے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ نے (جو خود مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں) یہ واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ قریش کے یہ دونوں ماہر سیاست سفیر ہمارے تعاقب میں حبش پہنچے۔ پہلے انہوں نے نجاشی کے اعیان سلطنت میں خوب ہدیے تقسیم کر کے سب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ مہاجرین کو واپس کرنے کے لیے نجاشی

پر بالاتفاق زور دیں گے پھر نجاشی سے ملے اور اس کو پیش قیمت نذرانہ دینے کے بعد کہا کہ "ہمارے شہر کے چند نادان لونڈے بھاگ کر آپ کے ہاں آ گئے ہیں اور قوم کے اشراف نے ہمیں آپ کے پاس ان کی واپسی کی درخواست کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ یہ لڑکے ہمارے دین سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے ایک نرالا دین نکال لیا ہے۔" ان کا کلام ختم ہوتے ہی اہل دربار ہر طرف سے بولنے لگے کہ "ایسے لوگوں کو ضرور واپس کر دینا چاہیے، ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے۔ انہیں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔" مگر نجاشی نے بگڑ کر کہا کہ "اس طرح تو میں انہیں حوالے نہیں کروں گا۔ جن لوگوں نے دوسرے ملکوں کو چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا اور یہاں پناہ لینے کے لیے آئے ان سے میں بے وفائی نہیں کر سکتا۔ پہلے میں انہیں بلا کر تحقیق کروں گا کہ یہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔" چنانچہ نجاشی نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔

نجاشی کا پیغام پا کر سب مہاجرین جمع ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے کیا کہنا ہے۔ آخر سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم ہمیں دی ہے وہی ہم بے کم و کاست پیش کریں گے خواہ نجاشی ہمیں رکھے یا نکال دے۔ دربار میں پہنچے تو چھوٹتے ہی نجاشی نے سوال کیا کہ "یہ تم لوگوں نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑا اور میرے دین میں بھی داخل نہ ہوئے نہ دنیا کے دوسرے ادیان ہی میں سے کسی کو اختیار کیا؟ آخر یہ تمہارا نیا دین ہے کیا؟" اس پر مہاجرین کی طرف سے جعفر بن ابی طالب نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں پہلے عرب جاہلیت کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو بیان کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کر کے بتایا کہ آپ کیا تعلیمات پیش فرماتے ہیں، پھر ان مظالم کا ذکر کیا جو آنحضور کی پیروی اختیار کرنے والوں پر قریش کے لوگ ڈھا رہے تھے، اور اپنا کلام اس بات پر ختم کیا کہ دوسرے ملکوں کے بجائے ہم نے آپ کے ملک کا رخ اس امید پر کیا ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ "ذرا مجھے وہ کلام تو سناؤ جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے تمہارے نبی پر اترا ہے۔" حضرت جعفر نے جواب میں سورۂ مریم

کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ نجاشی اس کو سنتا رہا اور روتا رہا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی۔ جب حضرت جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو اس نے کہا کہ "یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰ لائے تھے، دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں، خدا کی قسم میں تمہیں ان لوگوں کے حوالہ نہ کرونگا"۔

دوسرے روز عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ "ذرا ان لوگوں سے بلا کر یہ تو پوچھیے کہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے۔ یہ لوگ ان کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں"۔ نجاشی نے پھر مہاجرین کو بلا بھیجا۔ مہاجرین کو پہلے سے عمرو کی چال کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے جمع ہو کر پھر مشورہ کیا کہ اگر نجاشی نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دوگے؟ موقع بڑا نازک تھا اور سب اس سے پریشان تھے۔ مگر پھر بھی اصحاب رسول اللہؐ نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہوتا ہے ہو جائے، ہم تو وہی بات کہیں گے جو اللہ نے فرمائی اور اللہ کے رسول نے سکھائی۔ چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں گئے اور نجاشی نے عمرو بن العاص کا پیش کردہ سوال ان کے سامنے دہرایا تو جعفر بن ابی طالب نے اٹھ کر بلا تامل کہا کہ ھو عبدُ اللہِ ورسولُہ وروحُہ وکلمتُہ القاھا الی مریمَ العذراء البتول۔ "وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا"۔ نجاشی نے سن کر ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا "خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰ اُس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے"۔ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے بھیجے ہوئے تمام ہدیے یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور مہاجرین سے کہا کہ تم بالکل اطمینان کے ساتھ رہو۔

<u>موضوع اور مضمون</u> | اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر جب ہم اس سورے کو دیکھتے ہیں تو اس میں اولین بات نمایاں ہو کر ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ اگرچہ مسلمان ایک مظلوم پناہ گزیں گروہ کی حیثیت سے اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا رہے تھے، مگر اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کے معاملے میں ذرہ برابر مداہنت کرنے کی تعلیم نہ دی، بلکہ چلتے وقت زادِ راہ کے طور

پر یہ سورہ ان کے ساتھ کی تاکہ عیسائیوں کے ملک میں عیسیٰ علیہ السلام کی بالکل صحیح حیثیت پیش کریں اور ان کے ابن اللہ ہونے کا صاف صاف انکار کر دیں۔

پہلے دو رکوعوں میں حضرت یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کا قصہ سنانے کے بعد پھر تیسرے رکوع میں حالاتِ زمانہ کی مناسبت سے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ سنایا گیا ہے کیونکہ ایسے ہی حالات میں وہ بھی اپنے باپ اور خاندان اور اہلِ ملک کے ظلم سے تنگ آکر وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس سے ایک طرف کفار مکہ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ آج ہجرت کرنے والے مسلمان ابراہیمؑ کی پوزیشن میں ہیں اور تم لوگ ان ظالموں کی پوزیشن میں ہو جنہوں نے تمہارے باپ اور پیشوا، ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے نکالا تھا۔ دوسری طرف مہاجرین کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام وطن سے نکل کر تباہ نہ ہوئے بلکہ اور زیادہ سربلند ہو گئے ایسا ہی انجام نیک تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

اس کے بعد چوتھے رکوع میں دوسرے انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام وہی دین لے کر آئے تھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، مگر انبیاء کے گزر جانے کے بعد ان کی امتیں بگڑتی رہی ہیں اور آج مختلف امتوں میں جو گمراہیاں پائی جا رہی ہیں یہ اسی بگاڑ کا نتیجہ ہیں۔

آخری دو رکوعوں میں کفار مکہ کی گمراہیوں پر سخت تنقید کی گئی ہے اور کلام ختم کرتے ہوئے اہلِ ایمان کو مژدہ سنایا گیا ہے کہ دشمنانِ حق کی ساری کوششوں کے باوجود بالآخر تم محبوبِ خلائق ہو کر رہو گے۔

اللہ کے نام سے، جو رحمٰن اور رحیم ہے

ک، ہ، ی، ع، ص۔ ذکر[1] ہے اُس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا[2] پر کی تھی،

---

[1] تقابل کے لیے سورۂ آل عمران۔ رکوع ۴ پیشِ نظر رہے جس میں یہ قصہ دوسرے الفاظ میں بیان ہو چکا ہے۔

[2] یہ حضرت زکریا جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے حضرت ہارون کے خاندان سے تھے۔ ان کی پوزیشن ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ بنی اسرائیل کے نظامِ کہانت (Priesthood) کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے (باقی ص ۳۱۹)

جبکہ اُس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔

اُس نے عرض کیا "اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے۔ اے پروردگار، میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا۔ مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے[1]، اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے[2]، اور اے پروردگار، اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔"

(جواب دیا گیا) "اے زکریا، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اِس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا[3]۔"

(بقیہ حاشیہ ۳۱۸) فلسطین پر قابض ہونے کے بعد بنی اسرائیل نے ملک کا انتظام اس طرح کیا تھا کہ حضرت یعقوب کی اولاد کے ۱۲ قبیلوں میں تو سارا ملک تقسیم کر دیا گیا، اور تیرھواں قبیلہ (یعنی لاوی بن یعقوب کا گھرانا) مذہبی خدمات کے لیے مخصوص رہا۔ پھر بنی لاوی میں سے بھی اصل وہ خاندان جو "مقدِس میں خداوند کے آگے بخور جلانے کی خدمت" اور "پاک ترین چیزوں کی تقدیس کا کام" کرتا تھا، حضرت ہارون کا خاندان تھا۔ باقی دوسرے بنی لاوی مقدِس کے اندر نہیں جا سکتے تھے بلکہ خداوند کے گھر کی خدمت کے وقت صحنوں اور کوٹھڑیوں میں کام کرتے تھے، سبت کے دن اور عیدوں کے موقع پر سوختنی قربانیاں چڑھاتے تھے، اور مقدِس کی نگرانی میں بنی ہارون کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

بنی ہارون کے چوبیس خاندان تھے جو باری باری سے مقدِس کی خدمت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ انہی خاندانوں میں سے ایک ابیاہ کا خاندان تھا جس کے سردار حضرت زکریا تھے۔ اپنے خاندان کی باری کے دنوں میں یہی مقدس میں جاتے اور خداوند کے حضور بخور جلانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بائیبل کی کتاب تواریخ اول۔ باب ۲۳ و ۲۴)

[1] مطلب یہ ہے کہ ابیاہ کے خاندان میں میرے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو دینی اور اخلاقی حیثیت سے اس منصب کا اہل ہو جسے میں سنبھالے ہوئے ہوں۔ آگے جو نسل اٹھتی نظر آ رہی ہے اس کے لچھن بگڑے ہوئے ہیں۔

[2] یعنی مجھے صرف اپنی ذات ہی کا وارث مطلوب نہیں ہے بلکہ خانوادۂ یعقوب کی بھلائیوں کا وارث مطلوب ہے۔

[3] لوقا کی انجیل میں الفاظ یہ ہیں: "تیرے کنبے میں کسی کا یہ نام نہیں" (۱ : ۶۱)

عرض کیا "پروردگار، بھلا میرے ہاں کیسے بیٹا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر سوکھ چکا ہوں؟"

جواب ملا "ایسا ہی ہوگا۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ تو میرے لیے ایک ذرا سی بات ہے، آخر اس سے پہلے میں تجھے پیدا کر چکا ہوں جب کہ تو کوئی چیز نہ تھا"[1]

زکریا نے کہا "پروردگار، میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے۔"

فرمایا "تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو پیہم تین دن لوگوں سے بات نہ کر سکے۔"

چنانچہ وہ محراب[2] سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آیا اور اس نے اشارے سے ان کو ہدایت کی کہ صبح و شام تسبیح کرو۔[3]

---

[1] حضرت زکریا کے اس سوال اور فرشتے کے جواب کو نگاہ میں رکھیے، کیونکہ آگے چل کر حضرت مریم کے قصے میں پھر یہی مضمون آرہا ہے اور اس کا جو مفہوم یہاں ہے وہی وہاں بھی ہونا چاہیے۔ حضرت زکریا نے کہا کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ فرشتے نے جواب دیا کہ "ایسا ہی ہوگا" یعنی تیرے بڑھاپے اور تیری بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود تیرے ہاں لڑکا ہوگا۔ اور پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا حوالہ دیا کہ جس خدا نے تجھے نیست سے ہست کیا اس کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے کہ تجھ جیسے شیخ فانی سے ایک ایسی عورت کے ہاں اولاد پیدا کر دے جو عمر بھر بانجھ رہی ہے۔

[2] محراب کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران حاشیہ ۳۶

[3] اس واقعے کی جو تفصیلات لوقا کی انجیل میں بیان ہوئی ہیں انہیں ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے قرآن کی روایت کے ساتھ مسیحی روایت بھی رہے۔ درمیان میں قوسین کی عبارتیں ہماری اپنی ہیں:-

"یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانے میں (ملاحظہ ہو سورۂ بنی اسرائیل حاشیہ نمبر ۹) ابیاہ کے فریق سے زکریاہ نام کا ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع (Elizabeth) تھا۔ اور وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور وہ دونوں عمر رسیدہ تھے۔

(باقی ۳۲۱ پر)

"اے یحییٰ، کتابِ الٰہی کو مضبوط تھام لے[۱]"

(بقیہ حاشیہ ۳۲) وہ خدا کے حضور اپنے فریق کی باری پر کہانت کا کام انجام دیتا تھا تو ایسا ہوا کہ کہانت کے دستور کے موافق اس کے نام کا قرعہ نکلا کہ خداوند کے مقدس میں جا کر خوشبو جلائے۔ اور لوگوں کی ساری جماعت خوشبو جلاتے وقت باہر دعا کر رہی تھی کہ خداوند کا فرشتہ خوشبو کے مذبح کی دہنی طرف کھڑا ہوا اس کو دکھائی دیا۔ اور زکریاہ دیکھ کر گھبرایا اور اس پر دہشت چھا گئی۔ مگر فرشتے نے اس سے کہا اے زکریاہ! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی (حضرت زکریا کی دعا کا ذکر بائیبل میں کہیں نہیں ہے) اور تیرے لیے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہو گا۔ تو اس کا نام یوحنا (یعنی یحییٰ) رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہو گی اور بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب سے خوش ہوں گے کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہو گا (سورۂ آل عمران میں اس کے لیے لفظ سیّدًا استعمال ہوا ہے)، اور ہرگز نہ مے اور نہ کوئی اور شراب پیئے گا (حَصُوْرًا) اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا (وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا) اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو ان کا خدا ہے پھیرے گا۔ اور وہ ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لیے ایک مستعد قوم تیار کرے۔"

"زکریاہ نے فرشتے سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں؟ کیونکہ میں بڈھا ہوں اور میری بیوی عمر رسیدہ ہے۔ فرشتے نے اس سے کہا میں جبرائیل ہوں جو خدا کے حضور کھڑا رہتا ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھ سے کلام کروں اور تجھے ان باتوں کی خوشخبری دوں۔ اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہو لیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا اس لیے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔ (یہ بیان قرآن سے مختلف ہے۔ قرآن اسے نشانی قرار دیتا ہے اور لوقا کی روایت اسے سزا کہتی ہے۔ نیز قرآن صرف تین دن کی خاموشی کا ذکر کرتا ہے اور لوقا کہتا ہے کہ اس وقت سے حضرت یحییٰ کی پیدائش تک حضرت زکریا گونگے رہے) ۔۔۔ اور لوگ زکریاہ کی راہ دیکھتے اور تعجب کرتے تھے کہ اسے مقدس میں کیوں دیر لگی۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس میں رویا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا اور گونگا ہی رہا" (لوقا۔ باب ۱۔ آیت ۵ تا ۲۲)

[۱] یہ حاشیہ ۳۲ پر دیکھیں

ہم نے اسے بچپن ہی میں حکم[1] سے نوازا، اور اپنی طرف سے اس کو نرم دلی[2] اور پاکیزگی عطا کی، اور وہ بڑا پرہیزگار اور اپنے والدین کا حق شناس تھا۔ وہ نہ جبار تھا اور نہ نافرمان۔ سلام اس پر جس روز کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس روز وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے[3]۔ ع

(حاشیہ ۱ صفحہ سابق) یہاں صرف ایک فقرے میں اس مشن کو بیان کر دیا گیا جو منصب نبوت پر مامور کرتے وقت ان کے سپرد کیا گیا تھا یعنی وہ توراۃ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں اور بنی اسرائیل کو اس پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔

۱؎ "حکم"، یعنی قوت فیصلہ، قوت اجتہاد، تفقہ فی الدین، معاملات میں صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت۔

۲؎ اصل میں لفظ حنان استعمال ہوا ہے جو قریب قریب ممتا کا ہم معنی ہے۔ یعنی ایک ماں کو جو غایت درجے کی شفقت اپنی اولاد پر ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ بچے کی تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہے، وہ شفقت حضرت یحییٰ کے دل میں بندگانِ خدا کے لیے پیدا کی گئی تھی۔

۳؎ حضرت یحییٰ کے جو حالات مختلف انجیلوں میں بکھرے ہوئے ہیں انہیں جمع کر کے ہم یہاں ان کی سیرت پاک کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے سورہ آل عمران اور اس سورے کے مختصر اشارات کی توضیح ہو گی۔

لوقا کے بیان کے مطابق حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ سے ۶ مہینے بڑے تھے۔ ان کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ آپس میں قریبی رشتہ دار تھیں۔ تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں وہ نبوت کے منصب پر عملاً مامور ہوئے اور یوحنا کی روایت کے مطابق انہوں نے شرق اردن کے علاقے میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا۔ وہ کہتے تھے:

"میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو" (یوحنا ۱: ۲۳)

مرقس کا بیان ہے کہ وہ لوگوں سے گناہوں کی توبہ کراتے تھے اور توبہ کرنے والوں کو بپتسمہ دیتے تھے، یعنی توبہ کے بعد غسل کراتے تھے تاکہ روح اور جسم دونوں پاک ہو جائیں۔ یہودیہ اور یروشلم کے بکثرت لوگ ان کے معتقد ہو گئے تھے اور ان کے پاس جا کر بپتسمہ لیتے تھے (مرقس ۱: ۴-۵)۔ اسی بنا پر ان کا نام یوحنا بپتسمہ دینے والا (John The Baptist) مشہور ہو گیا تھا۔ عام طور پر بنی اسرائیل ان کی نبوت تسلیم کر چکے تھے (متی ۲۱: ۲۶)۔ مسیح علیہ السلام کا قول تھا کہ "جو عورتوں سے پیدا ہوتے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا" (متی ۱۱: ۱۱)

وہ اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنے اور چمڑے کا پٹکا کمر سے باندھے رہتے تھے اور ان کی خوراک ٹڈیاں اور جنگلی شہد پر

اور اے محمدؐ! اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو، جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب

(بقیہ حاشیہ ۱۳) اور جنگلی شہد تھا (متی ۳:۴)۔ اس فقیرانہ زندگی کے ساتھ وہ منادی کرتے پھرتے تھے کہ "توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی قریب آگئی ہے" (متی ۳:۲)۔ یعنی مسیح علیہ السلام کی دعوتِ نبوت کا آغاز ہونے والا ہے۔ اسی بنا پر ان کو عموماً حضرت مسیح کا "ارہاص" کہا جاتا ہے، اور یہی بات ان کے متعلق قرآن میں کہی گئی ہے کہ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران ۳۹)۔ وہ لوگوں کو روزے اور نماز کی تلقین کرتے تھے (متی ۹:۱۴۔ لوقا ۵:۳۳۔ لوقا ۱۱:۱)۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ "جس کے پاس دو کُرتے ہوں وہ اُس کو جس کے پاس نہ ہو بانٹ دے اور جس کے پاس کھانا ہو وہ بھی ایسا ہی کرے"۔ محصول لینے والوں نے پوچھا کہ استاد ہم کیا کریں تو انہوں نے فرمایا "جو تمہارے لیے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا"۔ سپاہیوں نے پوچھا ہمارے لیے کیا ہدایت ہے؟ فرمایا "نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ناحق کسی سے کچھ لو اور اپنی تنخواہ پر کفایت کرو" (لوقا ۳:۱۰-۱۴)۔ بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے علماء، فریسی اور صدوقی ان کے پاس بپتسمہ لینے آئے تو ڈانٹ کر فرمایا "اے سانپ کے بچو، تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو؟ ... اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے ... اب درختوں کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے، پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے" (متی ۳:۷-۱۰)

ان کے عہد کا یہودی فرمانروا، ہیرود انٹی پاس، جس کی ریاست میں وہ دعوتِ حق کی خدمت انجام دیتے تھے، سرتاپا رومی تہذیب میں غرق تھا اور اس کی وجہ سے سارے ملک میں فسق و فجور پھیل رہا تھا۔ اس نے خود اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیرودیاس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ حضرت یحییٰ نے اس پر ہیرود کو ملامت کی اور اس کی فاسقانہ حرکات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس جرم میں ہیرود نے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ تاہم وہ ان کو ایک مقدس اور راستباز آدمی جان کر ان کا احترام بھی کرتا تھا اور پبلک میں ان کے غیر معمولی اثر سے ڈرتا بھی تھا۔ لیکن ہیرودیاس یہ سمجھتی تھی کہ یحییٰ علیہ السلام جو اخلاقی روح قوم میں پھونک رہے ہیں وہ لوگوں کی نگاہ میں اُس جیسی عورتوں کو ذلیل کیے دے رہی ہے۔ اس لیے وہ ان کی جان کے درپے ہو گئی۔ آخرکار ہیرود کی سالگرہ کے جشن میں اس نے وہ موقع پا لیا جس کی وہ تاک میں تھی۔ جشن کے دربار میں اُس کی بیٹی نے خوب رقص کیا جس پر خوش ہو کر ہیرود نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ بیٹی نے اپنی فاحشہ ماں سے پوچھا کیا مانگوں؟ ماں نے کہا کہ یحییٰ کا سر مانگ لے۔ چنانچہ اس نے ہیرود کے سامنے ہاتھ باندھ کر عرض کیا (باقی ۳۲۴ پر)

نوٹ: یہ حاشیہ ۳۲۲ پر دیکھیں۔

گوشہ نشین ہوگئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی[16]۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوگیا ہے۔

مریم یکایک بول اٹھی کہ "اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔"

اُس نے کہا "میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔"

مریم نے کہا "میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔"

فرشتے نے کہا "ایسا ہی ہوگا، تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے۔ اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں[17] اور اپنی طرف سے ایک رحمت۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۳) مجھے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں رکھوا کر ابھی منگوا دیجیے۔ ہیرودیس سُن کر بہت غمگین ہوا، مگر محبوبہ کی بیٹی کا تقاضا کیسے رد کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً قید خانے سے یحییٰ علیہ السلام کا سر کٹوا کر منگوایا اور ایک تھال میں رکھوا کر رقاصہ کی نذر کر دیا (متی ۱۴: ۳-۱۲۔ مرقس ۶: ۱۷-۲۹۔ لوقا ۳: ۱۹-۲۰)

۱۵ (حاشیہ ص ۳۲۳) تقابل کے لیے سورۂ آل عمران رکوع ۵، ۶ مع حواشی، اور سورۂ نساء حاشیہ ۱۹۰ پیش نظر رہیں۔

۱۶ سورۂ آل عمران میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ نے اپنی مانی ہوئی نذر کے مطابق ان کو بیت المقدس میں عبادت کے لیے بٹھا دیا تھا اور حضرت زکریا نے ان کی حفاظت و کفالت اپنے ذمے لے لی تھی۔ وہاں یہ ذکر بھی گزر چکا ہے کہ حضرت مریم بیت المقدس کی ایک محراب میں معتکف ہوگئی تھیں۔ اب یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ محراب جس میں حضرت مریم معتکف تھیں بیت المقدس کے شرقی حصے میں واقع تھی اور انہوں نے معتکفین کے عام طریقے کے مطابق ایک پردہ لٹکا کر اپنے آپ کو دیکھنے والوں کی نگاہوں سے محفوظ کر لیا تھا۔ جن لوگوں نے محض بائیبل کی موافقت کی خاطر مکاناً شرقیاً سے مراد ناصرہ لیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے، کیونکہ ناصرہ یروشلم کے شمال میں ہے نہ کہ مشرق میں۔

۱۷ جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں، حضرت مریم کے استعجاب پر فرشتے کا یہ کہنا کہ "ایسا ہی ہوگا"، ہرگز اس معنی میں نہیں ہو سکتا کہ بشر تجھ کو چھوئے گا اور اس سے تیرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تیرے ہاں لڑکا ہوگا باوجود اس کے کہ تجھے کسی بشر نے نہیں چھوا ہے۔ اوپر انہی الفاظ میں حضرت زکریا کا استعجاب (باقی ص ۳۲۵ پر)

اور یہ کام ہو کر رہنا ہے "۔

مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی[1]۔ پھر زچگی کی تکلیف نے اُسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی " کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام و نشان نہ رہتا"[2]۔ فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا "غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ

(بقیہ حاشیہ ۳۲۴) نقل ہو چکا ہے اور وہاں بھی فرشتے نے یہی جواب دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مطلب اس جواب کا وہاں ہے وہی یہاں بھی ہے۔ علاوہ بریں اگر کذالک کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ بشر تجھے چھوئے گا اور تیرے ہاں اسی طرح لڑکا ہوگا جیسے دنیا بھر کی عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے، تو پھر بعد کے دونوں فقرے بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کہنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ تیرا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے، اور یہ کہ ہم اس لڑکے کو ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ نشانی کا لفظ یہاں صریحاً معجزے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اور اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اس لڑکے کی ذات ہی کو ایک معجزے کی حیثیت سے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ بعد کی تفصیلات اس بات کی خود تشریح کر رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو کس طرح معجزہ بنا کر پیش کیا گیا۔

[1] دور کے مقام سے مراد بیت لحم ہے۔ حضرت مریم کا اپنے اعتکاف سے نکل کر وہاں جانا ایک فطری امر تھا۔ بنی اسرائیل کے مقدس ترین گھرانے بنی ہارون کی لڑکی، اور پھر وہ جو بیت المقدس میں خدا کی عبادت کے لیے وقف ہو کر بیٹھی تھی، یکایک حاملہ ہو گئی۔ اس حالت میں اگر وہ اپنی جائے اعتکاف پر بیٹھی رہتیں اور ان کا حمل لوگوں پر ظاہر ہو جاتا تو خاندان والے ہی نہیں، قوم کے دوسرے لوگ بھی ان کا جینا مشکل کر دیتے۔ اس لیے بیچاری اس شدید آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد خاموشی کے ساتھ اپنے اعتکاف کا حجرہ چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں تاکہ جب تک اللہ کی مرضی پوری ہو، قوم کی لعنت ملامت اور عام بدنامی سے تو بچی رہیں۔

[2] ان الفاظ سے اس پریشانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس میں حضرت مریمؑ اس وقت مبتلا تھیں۔ موقع کی نزاکت ملحوظ رہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کی زبان سے یہ الفاظ دردِ زہ کی تکلیف کی وجہ سے نہیں نکلے تھے، بلکہ یہ فکر ان کو کھائے جا رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس خطرناک آزمائش میں انہیں ڈالا ہے اس سے کس طرح بخیریت عہدہ برآ ہوں۔ حمل کو تو اب تک کسی نہ کسی طرح چھپا لیا۔ اب اس بچے کو کہاں لے جائیں۔

روان کر دیا ہے۔ اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تر و تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی[1]۔"

پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے "اے مریم! یہ تو تُو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن[2]! نہ تیرا باپ کوئی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔"

[1] مطلب یہ ہے کہ بچے کے معاملے میں تجھے کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی پیدائش پر جو کوئی بھی معترض ہو اس کا جواب اب ہمارے ذمے ہے۔ (واضح رہے کہ بنی اسرائیل میں چُپ کا روزہ رکھنے کا طریقہ رائج تھا)۔

[2] ان الفاظ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں ظاہری معنی میں لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ حضرت مریم کا کوئی بھائی ہارون نامی ہو۔ دوسرے یہ کہ عربی محاورے کے مطابق اختِ ہارون کے معنی "ہارون کے خاندان کی لڑکی" لیے جائیں کیونکہ عربی میں یہ ایک معروف طرزِ بیان ہے۔ مثلاً قبیلہ مضر کے آدمی کو یا اخا مضر (اے مضر کے بھائی) اور قبیلہ ہمدان کے آدمی کو یا اخا ہمدان (اے ہمدان کے بھائی) کہہ کر پکارتے ہیں۔ پہلے معنی کے حق میں دلیلِ ترجیح یہ ہے کہ بعض روایات میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معنی منقول ہوئے ہیں۔ اور دوسرے معنی کی تائید میں دلیل یہ ہے کہ موقع و محل اس معنی کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ اس واقعہ سے قوم میں جو ہیجان برپا ہوا تھا اس کی وجہ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہارون نامی ایک گمنام شخص کی کنواری بہن گود میں بچہ لیے ہوئے آئی تھی، بلکہ جس چیز نے لوگوں کا ایک ہجوم حضرت مریم کے گرد جمع کر دیا تھا وہ یہی ہو سکتی تھی کہ بنی اسرائیل کے مقدس ترین گھرانے، خانوادۂ ہارون کی ایک لڑکی اس حالت میں پائی گئی۔ اگرچہ ایک حدیث مرفوع کی موجودگی میں کوئی دوسری تاویل اصولاً قابلِ لحاظ نہیں ہو سکتی، لیکن مسلم، نسائی اور ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث جن الفاظ میں نقل ہوئی ہے اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ان الفاظ کے معنی لازماً "ہارون کی بہن" ہی ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے حضرت مغیرہ کے سامنے یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن میں حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ حضرت ہارون ان سے سینکڑوں برس پہلے گزر چکے تھے۔ حضرت مغیرہ ان کے اس اعتراض کا جواب نہ دے سکے اور انہوں نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ ماجرا عرض کیا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ "تم نے یہ جواب کیوں نہ دے دیا کہ بنی اسرائیل (باقی ص ۳۲۷ پر)

مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

لوگوں نے کہا "ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟"

بچہ بول اٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی، اور نبی بنایا، اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا، اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں[۱]"۔

یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے۔ وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا، اور بس وہ ہو جاتی ہے[۲]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۶) اپنے نام انبیاء اور صلحاء کے نام پر رکھتے تھے"۔ حضورؐ کے اس ارشاد سے صرف یہ بات نکلتی ہے کہ لاجواب ہونے کے بجائے یہ جواب دے کر اعتراض رفع کیا جا سکتا تھا۔

۱؎ یہ ہے وہ "نشانی" جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کی مسلسل بدکرداریوں پر عبرتناک سزا دینے سے پہلے ان پر حجت تمام کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر فرمائی کہ بنی ہارون کی ایک ایسی زاہدہ و عابدہ لڑکی کو جو بیت المقدس میں معتکف اور حضرت زکریا کے زیر تربیت تھی، دوشیزگی کی حالت میں حاملہ کر دیا تاکہ جب وہ بچہ لیے ہوئے آئے تو ساری قوم میں ہیجان برپا ہو جائے اور لوگوں کی توجہات یکلخت اس پر مرکوز ہو جائیں۔ پھر اس تدبیر کے نتیجے میں جب ایک ہجوم حضرت مریم پر ٹوٹ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے سے کلام کرایا تاکہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر نبوت کے منصب پر سرفراز ہو تو قوم میں ہزاروں آدمی اس امر کی شہادت دینے والے موجود رہیں کہ اس کی شخصیت میں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں۔ اس پر بھی جب یہ قوم اس کی نبوت کا انکار کرے اور اس کی پیروی قبول کرنے کے بجائے اسے مجرم بنا کر صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے تو پھر اس کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے جو دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی گئی۔

۲؎ یہاں تک جو بات عیسائیوں کے سامنے واضح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (باقی صفحہ ۳۴۸ پر)

(اور عیسیٰ نے کہا تھا کہ) "اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس تم اسی کی بندگی کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔"[1] مگر پھر مختلف گروہ[2] باہم اختلاف کرنے لگے۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے وہ وقت بڑی تباہی کا ہوگا جبکہ وہ ایک بڑا دن دیکھیں گے۔ جب وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے اُس روز تو اُن کے کان بھی خوب سُن رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں بھی خوب دیکھتی ہوں گی مگر آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اے محمدؐ، اِس حالت میں جبکہ یہ لوگ غافل ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں، انہیں اُس دن سے ڈرا دو جبکہ فیصلہ کر دیا جائے گا اور پچھتاوے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ آخرکار ہم ہی زمین اور اس کی ساری چیزوں کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے[3] ع

(بقیہ حاشیہ ۲۴) کے متعلق ابن اللہ ہونے کا جو عقیدہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ باطل ہے۔ جس طرح ایک معجزے سے حضرت یحییٰ کی پیدائش نے ان کو خدا کا بیٹا نہیں بنا دیا اسی طرح ایک دوسرے معجزے سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر انہیں خدا کا بیٹا قرار دے دیا جائے۔ عیسائیوں کی اپنی روایات میں بھی یہ بات موجود ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ، دونوں ایک ایک طرح کے معجزے سے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ لوقا کی انجیل میں قرآن ہی کی طرح ان دونوں معجزوں کا ذکر ایک سلسلۂ بیان میں کیا گیا ہے لیکن یہ عیسائیوں کا غلو ہے کہ وہ ایک معجزے سے پیدا ہونے والے کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں اور دوسرے معجزے سے پیدا ہونے والے کو خدا کا بیٹا بنا بیٹھے ہیں۔

[1] یہاں عیسائیوں کو بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی وہی تھی جو تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام دے کر آئے تھے۔ انہوں نے اس کے سوا کچھ نہیں سکھایا تھا کہ صرف خدائے واحد کی بندگی کی جائے۔ اب یہ جو تم نے ان کو بندے کے بجائے خدا بنا لیا ہے اور انہیں عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہو، یہ تمہاری اپنی ایجاد ہے۔ تمہارے پیشوا کی یہ تعلیم ہرگز نہیں تھی۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ آل عمران حاشیہ ۶۸ اور سورۂ مائدہ حاشیہ ۱۰۱)

[2] یعنی عیسائیوں کے گروہ

[3] یہاں وہ تقریر ختم ہوتی ہے جو عیسائیوں کو سنانے کے لیے نازل فرمائی گئی تھی۔ اس تقریر کی روانی (صفحہ ۲۶ پر)

اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو[1]، بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔ (انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ "ابا جان! آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟ ابا جان میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں[2]، شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ

(بقیہ صفحہ ۳۲۸) عظمت کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ آدمی اس کو پڑھتے وقت وہ تاریخی پس منظر نگاہ میں رکھے جو ہم نے اس سورے کے دیباچے میں بیان کیا ہے۔ یہ تقریر اُس موقع پر نازل ہوئی تھی جبکہ مکّے کے مظلوم مسلمان ایک عیسائی سلطنت میں پناہ لینے کے لیے جا رہے تھے، اور اس غرض کے لیے نازل کی گئی تھی کہ جب وہاں مسیح کے متعلق اسلامی عقائد کا سوال چھڑے تو یہ "سرکاری بیان" عیسائیوں کو سنا دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہو سکتا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو کسی حال میں بھی حق و صداقت کے معاملے میں مداہنت برتنا نہیں سکھایا ہے۔ پھر وہ سچے مسلمان جو حبش کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے، اُن کی قوتِ ایمانی بھی حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے عین دربارِ شاہی میں ایسے نازک موقع پر اٹھ کر یہ تقریر سنا دی جبکہ نجاشی کے تمام اہل دربار رشوت کھا کر انہیں نکلوا دینے پر تل گئے تھے۔ اس وقت اس امر کا پورا خطرہ تھا کہ مسیحیت کے بنیادی عقائد پر اسلام کا یہ بے لاگ تبصرہ سن کر نجاشی بھی بگڑ جائے گا اور ان مظلوم مسلمانوں کو قریش کے قصائیوں کے حوالے کر دیگا۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے کلمۂ حق پیش کرنے میں ذرہ برابر تامل نہ کیا۔

[1] یہاں سے خطاب کا رُخ اہل مکہ کی طرف پھر رہا ہے جنہوں نے اپنے نوجوان بیٹوں، بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کو اُسی طرح خدا پرستی کے جرم میں گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو ان کے باپ اور بھائی بندوں نے دیس نکالا دیا تھا۔ اس غرض کے لیے دوسرے انبیاء کو چھوڑ کر خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ کے قصّے کا انتخاب اس لیے کیا گیا تھا کہ قریش کے لوگ ان کو اپنا پیشوا مانتے تھے اور انہی کی اولاد ہونے پر عرب میں اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔

[2] اصل الفاظ ہیں لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ، یعنی "شیطان کی عبادت نہ کریں"۔ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ (باقی صفحہ ۳۳۰)

کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں"۔

باپ نے کہا " ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا"۔

ابراہیم نے کہا " سلام ہے آپ کو۔ میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہ رہوں گا"۔

پس جب وہ اُن لوگوں سے اور اُن کے معبودانِ غیر اللہ سے الگ ہو گیا تو ہم نے اُس کو اسحٰق اور یعقوب جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو سچی ناموری عطا کی۔[ع] ع

(بقیہ حاشیہ ۳۲۹) کے والد اور قوم کے دوسرے لوگ عبادت بتوں کی کرتے تھے، لیکن چونکہ اطاعت وہ شیطان کی کر رہے تھے، اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے ان کی اس اطاعتِ شیطان کو بھی عبادتِ شیطان قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت محض پوجا اور پرستش ہی کا نام نہیں بلکہ اطاعت کا نام بھی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی پر لعنت کرتے ہوئے بھی اس کی بندگی بجا لائے تو وہ اُسکی عبادت کا مجرم ہے، کیونکہ شیطان بہرحال کسی زمانے میں بھی لوگوں کا "معبود" (بمعنی معروف) نہیں رہا ہے بلکہ اس کے نام پر ہر زمانے میں لوگ لعنت ہی بھیجتے رہے ہیں۔

لہ یہ حرفِ تسلی ہے اُن مہاجرین کے لیے جو گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح ابراہیم اپنے خاندان سے کٹ کر برباد نہ ہوئے بلکہ اُلٹے سربلند و سرفراز ہو کر رہے اُسی طرح تم بھی برباد نہ ہو گے بلکہ وہ عزت پاؤ گے جس کا تصور بھی جاہلیت میں پڑے ہوئے کفارِ قریش نہیں کر سکتے۔